New Era Magazine

داغ

BINTENAZEER

بنت نذیر

www.neweramagazine.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مکمل ناول)

داغ

از بنتِ نذیر

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

خزاں کے موسم میں_____

اکثر تنہائی میں بیٹھ کر_____

میں اپنی ذات ڈھونڈتی ہوں_____

جس پہ کیا مجھے سنگسار زمانے نے_____

میں وہ گناہ ڈھونڈتی ہوں_____

نہ ہوں جہاں غم اور یہ ویرانیاں_____

میں اس نگر جانے کی راہ ڈھونڈتی ہوں_____

مٹانے سے بھی جو مٹ نہ سکا_____

اپنی ذات پہ لگا وہ داغ ڈھونڈتی ہوں_____

وہ کب سے وہاں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ سردی کی وجہ سے اسکا جسم اکڑ رہا تھا ہونٹ نیلے ہو گئے تھے۔ مگر اسے کب پرواہ تھی۔ باہر سے زیادہ اسکے اندر کا موسم سرد اور اداس تھا۔ درختوں کے زرد پتے اس کے آس بکھرے ہوئے تھے وہ آنکھیں موندھے درخت کے ساتھ ٹیک لگائے اس شام کے اداس منظر کا حصہ لگ رہی تھی۔

قدموں کی آہٹ اور چھڑی کی ٹک ٹک کی آواز سے اس نے آنکھیں کھولی۔ نصرت

بیگم اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھیں۔

کتنی آوازیں دی ہیں تمہیں سنائی دیتا ہے کہ نہیں۔

وہ گود میں سے اپنی ڈائری اور قلم اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

نواز علی کا فون آیا تھا۔ وہ خالدہ اور اشعر کیساتھ آرہا ہے۔ تم گلزار بی کیساتھ کھانا بنوا دو۔

جی دادو۔ وہ ان کی ہمراہی میں چلتی ہوئی لان میں داخل ہوئی۔

نصرت بیگم اپنے کمرے میں چلی گئی۔

مغرب کا وقت تھا اس نے وضو کیا اور نماز پڑھ کر کے کچن میں آگئی جہاں گلزار بی پہلے سے ہی کام میں مصروف تھی۔

دو گھنٹے لگا کر گلزار بی کے ساتھ کھانا تیار کیا۔

وہ لاؤنج سے گزر کر اپنے کمرے میں جانے لگی تھی جب نصرت بیگم نے اسے پکارا۔

جی۔

کھانا تیار ہے؟

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

جب تک خالدہ ادھر ہے تم اس کے سامنے کم جانا بلکہ جانا ہی نہیں۔ تم جانتی ہو وہ تمہیں پسند نہیں کرتی۔ دادو نے ہر بار خالدہ کے آنے پر کہی جانے والی بات دوہرائی۔

وہ سر ہی ہلا سکی۔

اب جاؤ۔وہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

وہ کمرے میں آ گئی

دل تھا کہ غم سے پھٹنے لگا تھا مگر آنسو پلکوں پر رکے ہوئے تھے۔اس نے وضو کیا اور عشاء کی نماز پڑھی۔کچھ سورتیں پڑھ کر خود پر دم کیا۔

وہ بستر پر لیٹ گئی نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔لاؤنج سے آوازیں آ رہی تھی نواز علی آگ ئے تھے۔

بے اختیار اسکا دل چاہا وہ باہر جائے ملے ان سے مگر بے بس تھی۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کھانا کھایا گیا باتیں ہوئی اور سب اپنے کمروں میں چلے گئے مگر وہ اسی طرح آنکھیں موندھے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

تو کیا میرے ہونے یا نہ ہونے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا،میری کمی کسی کو نہیں محسوس ہوتی۔وہ ایسی چھوٹی باتوں پر روتی نہیں تھی۔

کبھی کبھی نصرت بیگم کو لگتا وہ ابنارمل ہے یا ڈھیٹ،کوئی اسے برا بھلا کہے،ذلیل کرے ،گالی دے اسے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

مگر وہ ابنارمل نہیں تھی اسے سب محسوس ہوتا تھا اسے فرق پڑتا تھا وہ آنسو آنکھوں سے

گرانے کے بجائے دل پر گراتی تھی۔وہ بھڑاس نہیں نکالتی تھی وہ بات دل میں رکھ کر خود کو اذیت دیتی تھی۔

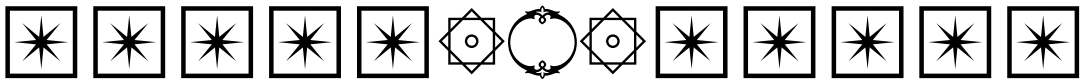

صبح اسکی آنکھ حسبِ معمول فجر کے وقت کھلی۔جب تک ذہن بیدار ہوتا وہ بیڈ پر بیٹھی رہی پھر واشروم جا کر وضو کیا۔

سردی سے بچاؤ کے لیے اپنے گرد گرم شال لپیٹ کر نماز پڑھی اور واپس کمبل میں گھس گئی۔جسم کو چیر دینے والی سردی تھی۔

اب نیند آنا مشکل تھی رات کو کھانا نہ کھانے کی وجہ سے سخت بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے بور ہونے کی بجائے سائڈ ٹیبل سے ڈائری اٹھالی۔

"دیا" ہمیشہ خود جل جل کر سب کو روشنی دیتا ہے۔تو کیا یہ نام کا اثر ہے جو میں بھی جل رہی ہوں مگر مجھ سے کس کو روشنی حاصل ہو گی؟

کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں دھتکارے جانے کے لیے ہی دنیا میں آئی ہوں آخر کیوں ایک ہی طعنہ مجھے ملتا ہے کیا قصور تھا میری ماں کا جسکی سزا مجھے مل رہی ہے؟

وہ کسی سے پوچھ بھی نہیں سکتی تھی ایک بار اس نے یہ غلطی کی تھی جب خالدہ نے اسے

ماں کا طعنہ دیا تھا۔

"اسکی ماں نے ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور آپ اسکی بیٹی کو سینے سے لگا رہی ہیں یہ بھی ذلیل کرے گی آخر نسل تو اسی گندے خون کی ہے"

اس نے یہ بات جا کر نواز علی کو بتادی تھی

اور انکے سامنے کھڑی انکا ضبط آزما رہی تھی۔

"بتائیں نا بابا میری ماں نے آخر ایسا کیا کیا تھا؟"

اسکا جواب اسے تھپڑ کی صورت میں ملا تھا۔اس کے بعد اسنے دوبارہ یہ غلطی نہیں کی تھی مگر تجسس بڑھتا جا رہا تھا اسے جاننا تھا آخر ایسا کیا کیا تھا اسکی ماں نے کہ مرنے کے بعد بھی اسے گالی دی جاتی تھی۔جسکا نام کا طعنہ اس کی اپنی ذات پر ایک ایسے داغ کی طرح چپک گیا تھا جو کبھی دھل نہیں سکتا تھا۔

سوچوں کی ڈور کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی جو کبھی سلجھ نہیں سکتی تھی۔اس نے ڈائری بند کر کے سائڈ ٹیبل پر رکھی اور اچھی طرح شال لپیٹ کر باہر آگئی۔

گھر کے پچھلے حصے میں آکر وہ دیوار کیساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔خنک ہوا کے تھپیڑے اسکے جسم کو چھو کر گزرتے تو سردی کی ایک لہر پورے جسم میں سرایت کر جاتی۔

گھر کا یہ حصہ اسکا پسندیدہ تھا وہ اپنا زیادہ تر وقت یہاں پہ گزارتی اس حصے میں انسان تو

انسان کوئی پرندہ بھی نہیں آتا تھا۔

یہاں بس وہ اسکی سوچیں، اسکی ڈائری اور برگد کا بوڑھا درخت۔

دیا بی بی۔ گلزار بی کی آواز پر اس نے سر اٹھایا

بیگم صاحبہ پوچھ رہی ہیں کہ کالج نہیں جانا کیا؟ میں نے ناشتہ تیار کر دیا ہے۔ ابھی کافی وقت تھا سردیوں میں تو عموماً کلاسس لیٹ لگتی ہیں مگر وہ ہاتھ مسلتے اٹھ کھڑی ہوئی وہ جانتی تھی دادو کیوں اسے جلدی کالج بھیجنا چاہتی ہیں۔

پھپھو اٹھ گئی ہیں؟ اس نے گلزار بی سے پوچھا۔

نہیں ابھی صرف بیگم صاحبہ اٹھی ہیں۔

آپ ناشتہ لگائیں جب تک میں تیار ہو کر آتی ہوں۔ وہ اپنے کمرے میں آکر کالج جانے کی تیاری کرنے لگی۔ اگلے پندرہ منٹ بعد وہ ناشتہ کر کے گھر سے نکل آئی تھی۔ دل تو بہت چاہ رہا تھا بابا سے مل کر کالج جائے مگر وہی مجبوری اور بے بسی رستے میں حائل تھی۔

بس کے آنے میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ بس اسٹاپ پر اسکے علاوہ ابھی کوئی نہیں آیا تھا۔

وہ اسکی تلخ سوچیں اور ٹھنڈی ہوا۔۔

آدھے گھنٹے بعد بس آئی اور وہ اس میں سوار ہو گئی۔ اسکی نظریں اس سیٹ پر گئی جو ہفتے سے خالی تھی مگر آج وہاں ایک اسمارٹ سا لڑکا بیٹھا تھا۔ آنکھوں پر نظر کا چشمہ پہنے ہوئے ہلکے سانولے رنگ کا لڑکا جو کتاب پر جھکا ہوا تھا۔

بے اختیار اس کے لبوں کو مسکراہٹ چھو گئی۔ وہ مطمئن سی ہو کر بس کے شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

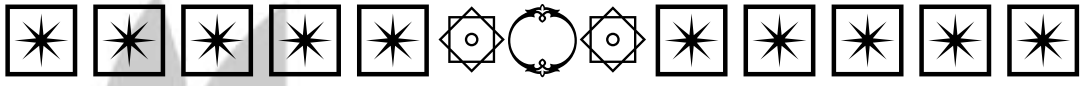

ناشتے کی ٹیبل پر دیا کے علاوہ سبھی افراد موجود تھے۔

دیا نہیں اٹھی ابھی؟ اشعر نے بریڈ کو جیم لگاتے ہوئے کہا۔

کالج چلی گئی ہے۔ نصرت بیگم نے جواب دیا۔ باقی افراد خاموشی سے ناشتہ کر رہے تھے۔

وہاٹ؟

ماموں جان آپ کی بیٹی اپنوں سے ملنا پسند نہیں کرتی۔ رات کو ہمارے آنے سے پہلے کمرے میں گھس گئی اور صبح ہمارے اٹھنے سے پہلے کالج۔ وہ ناراضگی سے نواز علی کو بتا رہا تھا۔

یہ نہ کہو کہ وہ ملنا پسند نہیں کرتی۔ اپنے اس سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ اب بار بار وہ

ذلیل ہونے سے تو رہی۔ نصرت بیگم کی زبان سے کڑوا سچ نکلا جو خالدہ کو سخت برا لگا۔

آپ جانتی ہیں اسکی ماں نے کس طرح میرا گھر اجاڑا۔۔۔۔۔۔

فار گاڈ سیک۔ اشعر نے خالدہ کی بات ٹوکی۔ دیا نے تو کچھ نہیں کیا وہ تو بے قصور ہے

اسے کس چیز کی سزا مل رہی ہے۔

خون تو اسی کا ہے گندی نسل کا۔

نواز علی کی برداشت جواب دے چکی تھی۔

بس۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

میرے سامنے اس ٹاپک پر بات مت کیا کرو۔ گندی نسل گندا خون۔ گلا گھونٹ دو اسکا

مر جائے، اور یہ ڈرامہ بھی ختم ہو۔ وہ جھٹکے سے کرسی سے اٹھے اور لمبے لمبے ڈگ

بھرتے کمرے میں چلے گئے۔

شعور اور تعلیم ہونے کے بعد بھی جہالیت۔ ماں کی سزا بیٹی کو ہنہہ۔ وہ بھی اٹھ کر کمرے

میں چلا گیا۔

اس کی ہمدردی کا بخار چڑھ گیا ہے۔ دیکھ لوں گی میں۔ خالدہ ہنکارا بھر کر چائے پینے لگی۔

بس آ کر کالج کے سامنے رکی۔ لڑکے لڑکیاں سب اترنے لگے وہ بھی بیگ اٹھا کر بس

سے باہر نکلی۔اور سب کی ہمراہی میں کالج کے اندر چلی گئی۔

اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف جاتے ہوئے اسے وہ نظر آیا وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اسکے پاس گئی۔

سنئیے؟

)یہ میں کیا کر رہی ہوں۔ مجھ پر تو ماں کے نام کا لگا دھبہ نہیں دھل رہا اور میں، نہیں نہیں میں اور ذلت برداشت نہیں کر سکتی مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے(

جی۔وہ اسکے بلکل سامنے کھڑا تھا۔کتابیں سینے کے ساتھ لگائے۔

کچھ نہیں۔وہ واپس پیچھے مڑ گئی۔

یہ کیا بے وقوفی کر رہی تھی دیا۔ایک دن ملاقات ہو گی پھر روز ملاقاتیں ہوں گی۔اور تم جانتی ہو تم اس سے کبھی مل نہیں سکتی پھر بھی۔دماغ اسے سمجھا رہا تھا مگر دل اسے برائی پر اکسا رہا تھا۔

دیا تم اس سے محبت کرنے لگی ہو اور محبت سے دستبردار نہیں ہوتے ملنا نہ ملنا مقدر کا کھیل ہے۔

اس کے دل و دماغ کے درمیان جنگ جاری تھی۔وہ آنکھوں کی نمی پونچھتی اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھی۔

یہ جو زندگی کی کتاب ہے

یہ کتاب بھی کیا کتاب ہے

کہیں اک حسین خواب ہے

کہیں جان لیوا عذاب ہے

کبھی کھو دیا، کبھی پا لیا

کبھی رو لیا، کبھی گا لیا

کہیں رحمتوں کی ہیں بارشیں

کہیں تشنگی بے حساب ہے

کہیں چھاؤں ہے کہیں دھوپ ہے

کہیں اور ہی کوئی روپ ہے

کہیں چھین لیتی ہے ہر خوشی

کہیں مہربان بے حساب ہے

یہ جو زندگی کی کتاب ہے

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یہ کتاب بھی کیا کتاب ہے

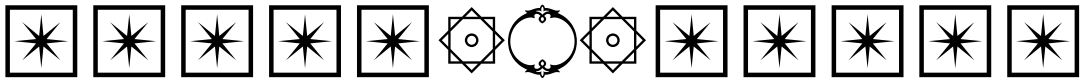

وہ کالج سے لوٹی تو بارش کی ہلکی ہلکی پھوار ہو رہی تھی۔گھر پہنچنے تک وہ مکمل بھیگ چکی تھی۔

اپنے کمرے میں آکر کپڑے تبدیل کیے۔

گھر میں کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا وہ نصرت بیگم کے کمرے کی طرف بڑھی۔

اسلام علیکم۔اس نے سلام کیا۔

وعلیکم سلام آگئی تم۔وہ شاید واشروم سے نکلی تھی اور ٹاول سے ہاتھ خشک کر رہی تھی۔

جی۔بابا واپس چلے گئے؟

نہیں اپنے کمرے میں ہو گا۔

اور پھپھو؟

گاؤں گئی ہے اشعر کو لے کر۔

میں بابا سے مل آؤں۔وہ واپس باہر کیطرف بڑھی۔

نواز علی کے کمرے کے پاس پہنچ کر اس نے دروازے پر دستک دی۔

آجاؤ۔وہ بستر پر آنکھوں پر بازو رکھے لیٹے تھے۔

اسلام علیکم بابا۔دیا کی آواز سن کر بازو ہٹایا

وعلیکم سلام۔انہوں نے واپس آنکھوں پر بازو رکھ لی وہ کچھ دیر وہاں کھڑی ان کے بولنے کا انتظار کرتی رہی مگر وہاں ہنوز خاموشی دیکھ کر وہ خود ہی بولی۔

میں رات کو آپ کے آنے سے پہلے ہی سو گئی تھی۔کیسے ہیں آپ؟

جواب ندارد۔

سو گئے بابا؟

اس نے نواز علی پر چادر ڈالی اور باہر نکل آئی۔

کاش بابا ایک بار تو سینے سے لگا لیں مجھے میرا کیا قصور ہے مجھے بتا دیجیے۔

اسکا دل چاہ رہا تھا وہ چیخ کر روئے سب کو رلائے مگر وہ چپ تھی۔

نواز علی کا حال بھی اس سے کچھ کم نہ تھے۔انکا دل بھی چاہتا تھا وہ بیٹی کو سینے سے لگا کر ہر سرد گرم سے بچا لیں مگر دیا کی شکل کو دیکھ کر انہیں ماضی کی یاد آتی تھی وہ وقت کی ستم ظریفی پر رو رہے تھے مگر وہ چپ تھی غموں کا بوجھ دل پر ڈال رہی تھی۔دل بھی تھکنے لگا تھا غموں کا بوجھ اٹھا کر۔

حساس لوگ چھوٹی بات کو بھی دل سے لگا لیتے ہیں وہ بھی حد سے زیادہ حساس تھی۔

عصر کے وقت اشعر اور خالدہ بھی آ گئے۔

وہ لاؤنج میں بیٹھی نصرت بیگم کی ٹانگیں دبا رہی تھی۔

خالدہ اس سے ناک بھوں چڑا کر ملی تھی۔البتہ اشعر اس سے باتیں بھگارنے لگا۔

دیا جاؤ۔اسٹڈی نہیں کرنی۔نصرت بیگم نے خالدہ کے بگڑتے تیور دیکھ کر دیا سے کہا۔

جی دادو۔وہ اٹھنے لگی تھی جب اشعر نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔

ہوتی رہے گی اسٹڈی بھی۔بیٹھو

اشعر بھائی میرا ٹیسٹ ہے اسکی تیاری کرنی ہے۔وہ روہانسی ہو گئی اگر اشعر اسکا ہاتھ نہ چھوڑتا تو شاید وہ رونے لگتی۔

اوکے۔

تم بھول گئے سب اسکی ماں نے تمہاری ماں کیساتھ کیا کیا تھا۔مگر تمہیں ہمدردی سوجھ رہی ہے۔خالدہ دیا کے جانے کے بعد بولی۔

کیا اسکی ماں میری ماں۔اسکی تو غلطی نہیں ہے کوئی بھی۔اشعر کو بھی غصہ آ گیا۔

امی دیکھا آپ نے۔میں تو کہتی ہوں پڑھائی رکوائیں اور چلتا کریں اس گھر سے۔

وہ کہیں نہیں جائے گی اس گھر سے۔

تو کیا سارے زندگی ہم پر سانپ بن کر بیٹھی رہے گی۔خالدہ کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

میں کروں گا اس سے شادی۔اشعر نے خالدہ کے سر پر بم پھوڑا تھا۔

وہ جو اپنے کمرے میں ٹیک لگائے انکی تلخ کلامی سن رہی تھی دہل کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

اشعر بھائی آپ مجھ سے ہمدردی نہیں کر رہے میری سزا میں اضافہ کر رہے ہیں۔وہ دل میں اشعر سے التجا کر رہی تھی۔

دماغ چل گیا ہے تیرا کمینے۔بھول گیا سب۔جسطرح اسکی ماں نے نواز علی کو چھوڑا تھا وہ بھی تجھے چھوڑ جائے گی اور میں کبھی تجھے نواز علی نہیں بننے دوں گی سمجھے۔وہ آپے سے باہر ہو گئی۔

ان کی چیخ و پکار سن کر نواز علی بھی باہر آئے۔

اشعر انکو دیکھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

کیا ہوا کیوں شور مچا رکھا ہے؟نواز علی نے پوچھا

فضول میں دماغ خراب کرتا ہے یہ لڑکا۔خالدہ نے بات بتانے میں ٹال مٹول کی۔وہ بھی واپس کمرے میں چلے گئے۔

دیکھا آپ نے کس طرح ماں کے ساتھ اونچی آواز میں چیخ رہا تھا۔پتہ نہیں کیا جادو کر دیا

ہے اس میسنی نے۔

اب خالدہ نے نصرت بیگم کیطرف توپوں کا رخ موڑ لیا مگر وہ بھی تھک گئی تھی ایسی باتیں سن سن کر۔

خالدہ اکیلی آتی تب بھی یہ باتیں لازمی چھڑتی تھی۔

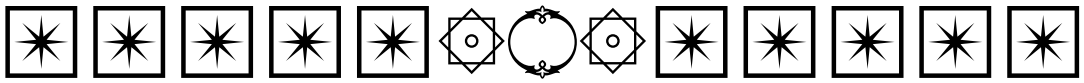

اگلے دن وہ بغیر ناشتہ کیے کالج آگئی۔ کل دن کو کیفے ٹیریا سے سموسے لے کر کھائے تھے اسکے بعد کھانا دیکھا بھی نہیں تھا۔

وہ کیفے میں آکر ایک پر سکون گوشے میں بیٹھ گئی۔ نہ کچھ کھانے کو جی رہا تھا اور نہ ذہن کلاسس اٹینڈ کرنے کے قابل تھا۔ گھر میں رہتی تو کوئی نیا ڈرامہ شروع ہو جاتا۔ وہ ان سوچوں سے رہائی چاہتی تھی اپنے آپ سے بھی دور بھاگنا چاہتی تھی۔ دل و دماغ غم سے پھٹنے لگا تھا مگر آنکھوں سے نمکین پانی پھر بھی نہیں بہہ رہا تھا یا شاید آنسوؤں کو بھی وہ سنبھال کر رکھنا چاہتی تھی۔

دیا؟ وہ ٹیبل پر جھکی ہوئی تھی جب اپنے نام پکارے جانے پر اس نے سر اٹھایا۔ وہ زریاب چوھدری ہی تھا جو اسکا نام لے رہا تھا۔

جی۔

آپ یہاں اسطرح کیوں بیٹھی ہیں کلاسس اٹینڈ نہیں کرنی؟ وہ اس سے نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

اس نے سر نفی میں ہلایا۔

وہ کرسی گھسیٹ کر اسکے سامنے بیٹھ گیا۔

تم مجھ پر اعتبار کر سکتی ہو، کوئی بھی مسئلہ ہو مجھ سے شئیر کرو اور کچھ نہیں تو شاید اچھا مشورہ ہی دے دوں۔

ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو شئیر کروں۔ وہ نظریں چرا کر بولی۔ اسے حیرت تھی کہ زریاب کیوں اس سے ہمدردی جتا رہا ہے اس نے تو کچھ کہا بھی نہیں یا وہ بھی اس سے خاموش محبت کرتا تھا۔

میں صرف آپ کے نام سے واقف ہوں اور کچھ نہیں جانتا آپ کے بارے میں مگر آپ ہمیشہ اداس کھوئی کھوئی سی رہتی ہیں نہ کسی سے آپ بات کرتی ہیں آپ کی ذات بہت محدود ہے۔ اگر آپ اپنا کسی کو دکھا نہیں سکتی تو کچھ پل رو لیا کریں دل ہلکا ہو جائے گا۔ وہ اسے مشورہ دے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔

جب تک زریاب اوجھل ہوتا اسکی نظریں اسی کو تکتی رہی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے زریاب کیوں اچھا لگتا ہے یا اسے ایسے ہمسفر کی تلاش تھی جو

اسی کی طرح محدود ہو۔

اس نے بے بسی سے ٹیبل پر پڑی کتابوں پر سر رکھ لیا۔

تیرے ساتھ رہنے پہ میرا بس نہیں،

تجھے بھولنا بھی محال ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں کہاں گزاروں یہ زندگی۔۔۔۔۔۔۔۔

میرے سامنے یہ سوال ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کالج سے آکر وہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔دن کا کھانا بھی نہیں کھایا اور نہ کسی نے کھانے کے لیے کہا کس کو فکر تھی اسکی، کون احساس کرتا۔

شام سے رات ہوئی مگر وہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلی بھوک بھی زوروں کی لگ رہی تھی مگر باہر جانے سے کترا رہی تھی کہیں کوئی فساد نہ کھڑا ہو جائے۔

جب اسے یقین ہو گیا کہ سب اپنے کمروں میں چلے گئے ہیں وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی اور کچن کا رخ کیا۔

فریج کھول کر چیک کر رہی تھی کچھ کھانے کو ہے یا نہیں جب اشعر جگ لے کر کچن میں آیا۔

سوئی نہیں ابھی تک ؟اشعر نے اس سے پوچھا

نہیں مجھے بھوک محسوس ہو رہی تھی تو۔اس نے وہاں اپنی موجودگی کی وجہ بتائی۔

کیوں ڈرتی ہو سب سے جب تمہارا قصور نہیں ہے تو۔ڈٹ کر رہو اگر ایسے ہی ان سے ڈرتی کتراتی رہی تو یہ لوگ تمہارا جینا حرام کر دیں گے۔یہاں پر تمہارا کوئی ہمدرد نہیں ہے ماموں بھی نہیں اپنی راہیں خود ہی سہل کرنی ہیں تمہیں۔اشعر اسے سمجھا رہا تھا۔دیا نے اسکے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

اشعر بھائی میں جیسی ہوں ٹھیک ہوں،آپ مجھ سے ہمدردی ہمدردی میں میری سزا میں اضافہ کر رہے ہیں پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے۔التجا کرتی ہوں آپ سے۔

اشعر نے اسکے ہاتھ تھام لیے۔

جیسا تم چاہو مگر میری باتوں پر غور کرنا میں تمہارے ساتھ ہوں۔

کیا ہو رہا ہے یہ؟خالدہ جو کچن سے آتی آوازوں کی وجہ سے وہاں آئی تھی مگر ان دونوں کو اسطرح قریب کھڑے دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔دیا نے جلدی سے اپنے ہاتھ چھڑائے۔

خالدہ گالیاں بکتے دیا پر ٹوٹ پڑی۔

بیچ کمینی لڑکی تم ہی میرے بیٹے کو میرے خلاف کرتی ہو۔میں تمہیں زندہ دفنا دوں

گی۔وہ اسکے بالوں کو ہاتھوں میں جکڑتے ہوئے پھنکاری۔

ماما چھوڑیں اسے،اسکی کوئی غلطی نہیں ہے۔اشعر اسے چھڑوانے کی کوشش کر رہا تھا۔

پیچھے ہٹو تم۔

ان کی چیخ وپکار سن کر نصرت بیگم اور نواز علی بھی کچن میں آ گئے۔

کیا ہوا خالدہ؟کیوں مار رہی ہو اسے؟نصرت بیگم نے آگے بڑھ کر دیا کو چھڑوایا۔اشعر اسکی صفائی میں بول رہا تھا مگر خالدہ کی چنگاڑتی آواز میں اسکی آواز دب کر رہ گئی۔

ہم سب کے کمرے میں جانے کے بعد یہ اشعر کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر کیا کر رہی تھی۔اسکی ماں نے میرے شوہر کو چھین لیا اور اب یہ میرے بیٹے کو چھیننا چاہتی ہے۔

خالدہ سچ بتاؤ؟نصرت بیگم کو یقین نہ آیا۔انہوں نے دیا میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی تھی۔

امی میں جھوٹ بول رہی ہوں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسے اشعر کیسا تھ۔

خالدہ ٹسوے بہانے لگی۔

خدا کا خوف کریں امی وہ یہاں کچن میں کھانا کھانے آئی تھی۔اشعر نے پھر زبان کھولی جبکہ دیا ایک طرف سر جھکائے کھڑی تھی۔

اور تم اسے کھانا کھلانے آئے تھے ہاں کیا کرنے آئے تھے اسکے پاس؟

نواز علی دیا کے پاس آئے۔

میری طرف دیکھو اور بتاؤ کیا خالدہ سچ کہہ رہی ہے۔

واہ نواز کبھی چور نے اپنی چوری مانی ہے۔

تم چپ رہو خالدہ۔ نواز علی نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں منع کیا۔

بتاؤ دیا۔ نواز علی نے ایک بار پھر پوچھا

پھپھو نے جو دیکھا وہ سہی دیکھا مگر۔۔۔۔

دیکھ لیا نواز۔ خالدہ نے دیا کی بات بیچ میں سے کاٹی۔

اسکو بات تو پوری کرنے دیں ماما۔ اشعر پھر تڑپ اٹھا۔ نہیں زندہ چھوڑوں گا تمہیں مار دوں گا۔ تمہاری ماں نے جس ذلت کے کنویں میں پھینکا اب تم بھی وہی کنواں کھود رہی ہو میرے لیے۔ وہ اسکا گلا دبا رہے تھے۔

کیا کر رہے ہو نواز علی چھوڑو اسے۔ نصرت بیگم اور اشعر دونوں آگے بڑے اور دیا کو نواز علی سے چھڑوایا۔

وہ دونوں نواز علی کو قابو کر کے کمرے میں لے گئے خالدہ بھی ان کے پیچھے اندر چلی گئی۔

اور وہ گلا پکڑ کر کھانستی ہوئی فرش پر بیٹھتی گئی۔

آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب نکل رہا تھا۔دل کی ایسی حالت تھی جیسے کسی آری سے چیر دیا گیا ہو۔

یا اللہ۔۔۔۔اسکے زبان سے آہ کی صورت میں رب کا نام نکلا اس آگے کہتی بھی تو کیا کہتی بد دعا دیتی بھی تو کس کو اپنے باپ کو جسے وہ جان سے بھی زیادہ چاہتی تھی۔

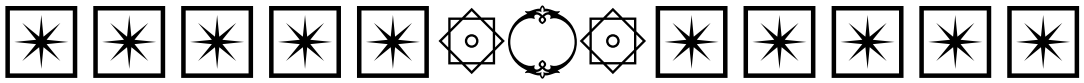

فجر کی اذان کے وقت وہ فرش سے خود کو گھسیٹ کر اپنے کمرے تک لائی۔وضو کر کے جائے نماز پر کھڑی ہوئی۔آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر چہرہ بھگو رہے تھے۔نماز پڑھتے ہوئے بھی ہچکیوں سے روتی رہی۔اسے نہیں معلوم تھا یہ زندگی اسے کہاں لے جائے گی۔

اسکی زندگی کی طرح اسکی بات بھی ادھوری رہ گئی تھی جسکا غلط مطلب لیا گیا تھا۔

نماز پڑھ کے وہ کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔سردی کی وجہ سے جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔سر بھاری ہو رہا تھا۔مگر جب تھوڑا سردی لگنا کم ہوئی وہ اٹھ کر کالج جانے کی تیاری کرنے لگی۔وہی اسکی جائے فرار تھا۔

دروازے پر دستک دے کر گلزار بی اندر آئی۔

دیا بی بی، بیگم صاحبہ آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں۔وہ نصرت بیگم کا بلاوا دے کر

چلی گئی۔

وہ سوچوں میں گم نصرت بیگم کے کمرے کی طرف بڑھی۔ ہلکی سی دستک دے کر اندر گئی۔

نصرت بیگم بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور خالدہ صوفے پر بیٹھی تھی۔

دادو آپ نے بلایا؟ وہ ان کے سامنے کھڑی ہوئی۔

ہاں کالج جا رہی ہو؟ اسے تیار دیکھ کر بولی۔

جی۔

شام کو تمہارے ماموں آ رہے ہیں تمہیں لینے کے لیے۔ خالدہ نے کہا۔

آج کالج جانے کی بجائے اپنا سامان پیک کر دینا۔ اب ہم مزید گندی نسل کو برداشت نہیں کر سکتے۔

وہ ہونٹوں پر چپ کا قفل لگائے کھڑی تھی یا اس نے قسم کھا رہی تھی کوئی کچھ بھی کہے وہ نہیں بولے گی۔

اس نے ایک نظر دادو کو دیکھا جو چہرے پر چٹانوں جیسی سختی لیے ہوئے تھی۔ ان کی بھی خالدہ نے برین واشنگ کر دی تھی۔

اب کھڑے کھڑے منہ کیا دیکھ رہی ہو امی کا ہی فیصلہ ہے یہ۔ اب جاؤ۔

وہ کمرے سے باہر نکلی پاؤں گھسیٹتی وہ بمشکل خود کو اپنے روم تک لائی۔

اشعر بھائی ٹھیک کہہ رہے تھے میرا یہاں کوئی ہمدرد نہیں ہے بابا بھی نہیں۔

وہ آئینے کے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔ سوجا ہوا چہرہ اور گلابی آنکھیں رات کی کہانی بیان کر رہے تھے۔

میری ذات اب ان پر بوجھ بن گئی ہے۔ کیا میری جگہ بیٹا ہوتا تو کیا اس کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا؟ نہیں یہ سزائیں اور ذلت بیٹی کے لیے ہی ہوتی ہیں۔

اس نے بے دردی سے آنسو صاف کیے اور اپنا سامان پیک کرنے لگی۔

سامان پیک کر کے وہ ڈائری لے کر اپنے پسندیدہ گوشے میں آگئی شاید آخری بار۔

درخت کے آس پاس بکھرے پتے کو ہاتھ سے ہٹا کر وہ وہاں زمین پر بیٹھ گئی۔

سوکھے پتوں کی طرح بکھر گئی زندگی اپنی۔۔۔۔

کسی نے سمیٹا بھی تو صرف جلانے کے لیے۔۔۔۔

میری زندگی ان پتوں کی طرح ہی بے مول ہے۔ جس طرح درخت ان پتوں کو جھڑ دیتا ہے اور یہ ادھر ہی گل سڑ جاتے ہیں نام و نشان مٹ جاتا ہے انکا بلکل اسی طرح مجھے بھی اپنوں نے چھوڑ دیا ہے اور میں بھی بکھرتی جا رہی ہوں سلگتی جا رہی ہوں اور ایک دن میرا نام و نشان بھی مٹ جائے گا۔

بابا کا بھی کوئی قصور نہیں ہے میری ماں نے انکا اعتبار توڑا اور اب وہ کسی کو اعتبار کے قابل نہیں سمجھتے، میں تو اس بدنصیب عورت کی بدقسمت بیٹی ہوں۔

بہت سی باتیں تھی جو اس کے اندر دبی تھی۔

کچھ سمجھ نہ آئے
لکھوں تو کیا لکھوں
زندگی کے بیتے لمحے۔۔۔؟

اچھے برے گزرے پل۔۔۔؟

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مگر جب غور کیا۔۔۔!!

ڈائری کے کورے کاغذوں پر ایک الگ ہی تحریر لکھی تھی۔۔۔!!

جہاں
زندگی کے دکھ کچھ دنیا کے سکھ کہیں رشتے بکھرے پائے
کہیں اپنے بچھڑے پائے۔۔۔!!

کہیں جان سے پیارے تھے
وہیں ان کے لہجوں میں آرے تھے۔۔۔!!

کہیں دوستوں کے ہجوم تھے وہیں دل دوستی سے محروم

تھے۔۔۔!!

کہیں منزلیں صاف تھیں

وہیں راستوں میں انگارے تھے۔۔۔!!

کہیں خوشیوں سے قہقہے لگاتے لوگ وہیں غم و مجبوری کے مارے تھے۔۔۔!!

نہ لکھ پائی کچھ بھی چاہنے کے باوجود جیسے لکھنے میں بھی اب خسارے تھے۔

ڈائری بند کر کے اس نے گود میں رکھی اور سر درخت کے تنے سے ٹکا کر آنکھیں موند لی۔

"کچھ پل رو لیا کریں دل ہلکا ہو جائے گا" زریاب کی کہی بات اسے یاد آئی۔

"نہیں زریاب، جیسے دیا بجھ جائے تو اسے جلایا جاتا ہے ایسے ہی میری زندگی ہے میں روؤں گی تو مجھے اور رلایا جائے گا "

وہ دل میں زریاب سے مخاطب تھی۔

تھوڑی دیر بعد درخت کے ساتھ سر ٹکائے گہری نیند سو رہی تھی یا شاید اس لیے کہ پھر کبھی اسے یہاں آنے کا موقع نہ ملے۔۔

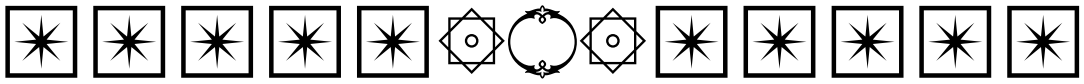

اسکی آنکھ کھلی تو آسمان پر گہری دھند اور بادل چھائے ہوئے تھے۔وہ ڈائری اٹھا کر گھر کے رہائشی حصے کیطرف بڑھی۔

ابھی تک تم تیار نہیں ہوئی ماموں آرہے ہیں تمہارے۔ابھی اس نے لاؤنج میں قدم رکھا ہی تھا جب خالدہ نے کڑک آواز میں کہا۔

ہونے جارہی ہوں۔وہ ان کے پاس سے گزر کر اپنے کمرے میں آگئی۔

منہ پر چھینٹے مار کر گرم سوٹ نکال کر پہنا۔سر پر کپڑوں کا ہم رنگ دوپٹہ حجاب کی طرح رکھا اور گرم شال لپیٹ لی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آدھے گھنٹے بعد رضا احمد آئے تھے۔گھر کے اندر آنے کی بجائے انہوں نے باہر سے ہی دیا کو بلا بھیجا۔

نصرت بیگم کے علاوہ اس سے کوئی نہیں ملا تھا۔خالدہ اور نواز علی کمرے سے باہر نہیں نکلے تھے اور رات کے بعد دیا کا اشعر سے سامنا نہیں ہوا تھا۔

ایک نظر وہ گھر کو دیکھ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

رضا احمد اس سے ستارہ احمد کی باتیں کرتے رہے مگر وہ ہنوز خاموش رہی۔

جب تک پیدا ہوئی ستارہ بہت خوش تھی اس نے خود تمہارا نام "دیا" رکھا مگر پھر۔۔

وہ خاموش ہو گئے تھے۔

پھر کیا ہوا اماموں جان؟ دیا نے انہیں چپ دیکھ کر کہا۔

پھر سب بہہ گیا اس کی خوشیاں خواہشیں سب۔ وہ اداس ہو گئے تھے۔

تو کیا میں ماں کے لیے غموں کا دیا بن کر دنیا میں آئی تھی۔ اس نے دل میں سوچا۔

تمہاری ماں کی شادی امی جان کی مرضی سے ہوئی تھی۔ شادی کے بعد نواز علی کے سنگ وہ بہت خوش تھی اور تمہاری پیدائش کے بعد وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتی مگر اس کے بعد جنید تمہارا پھوپھا امریکہ سے آیا۔ کسی نہ کسی بہانے روزانہ وہ حویلی آتا۔ کب ستارہ کیساتھ اسکی دوستی شروع ہوئی کچھ نہیں پتہ مگر۔

مگر ستارہ کی زندگی خراب ہو گئی۔ یہ بات آگ کی طرح پورے گاؤں میں پھیل گئی اور ستارہ نے اپنے ساتھ ساتھ ہمارے ماتھے پر بھی بدنامی کا ٹیکا لگا دیا۔

وہ کچھ توقف کے لیے خاموش ہوئے۔ پہلی بار دیا کو کسی کا خاموش ہونا برا لگا تھا۔

پھر پھر کیا ہوا؟

روز روز کے لڑائی جھگڑوں سے تنگ آ کر نواز علی نے ستارہ کو طلاق دے دی اور جنید اسے اپنے ساتھ لے گیا مگر بد قسمتی سے انکا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور ان دونوں کے جنازوں کیساتھ ہم دونوں خاندانوں کی عزت کا بھی جنازہ نکل گیا۔ بہت طعنے برداشت کیے

لوگوں کے پھر بھی میرے دل میں اس کے لیے نفرت نہ پیدا ہو سکی

وہ آنسو پونچھ رہے تھے۔

تم نے ستارہ کی شکل وصورت چرائی ہے تمہیں دیکھ کر مجھے لگا جیسے ستارہ میرے سامنے آگئی ہے۔

وہ تھوڑی دیر بعد بولے۔

غلطی تو پھوپھا کی تھی پھر ماما کو کیوں ذلیل کیا جاتا ہے؟

بیٹا عورت سفید چادر کی طرح ہوتی ہے اس پر ذرا سا دھبہ لگ جائے تو سب کی نظروں میں آجاتا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

باقی کا رستہ خاموشی سے گزرا۔

ان کے گھر پہنچتے ہی تیز طوفانی بارش شروع ہو گئی۔

وہ گاڑی سے اتر کر جب تک برآمدے میں پہنچتے مکمل بھیگ چکے تھے۔عالیہ (رضا احمد کی بیوی) اس سے مسکرا کر ملی تھی جس سے اسکی کچھ ڈھارس بندھی۔

عالیہ نے اسے اسکا کمرہ دکھایا اور ان دونوں کے لیے چائے بنانے کچن کیطرف بڑھی۔

اس نے ایک نظر کمرے کو دیکھا۔

درمیانے سائز کا کمرہ تھا جس میں برائے نام ہی سامان تھا۔اس نے پہلے ڈریس چینج کیا

اور پھر تفصیل سے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

اسے کمرہ کا ایک حصہ جہاں بڑی سی کھڑی جو گھر کے پچھلے حصے کیطرف کھلتی تھی بہت پسند آیا۔اس نے پردہ ہٹا کر کھڑی کھولی۔ہوا کی وجہ سے بارش کی بوندیں اس کے چہرے پر پڑی اس نے جلدی سے کھڑی بند کی۔اور پردہ گرا دیا۔

"دیا" چائے پی لو۔عالیہ نے اسے دروازے کے باہر سے ہی آواز دی۔

وہ شال اوڑھتی باہر آئی۔

لاؤنج میں رضا احمد کیساتھ ایک نوجوان بھی بیٹھا تھی جو اسے ہی دیکھ رہا تھا وہ کچھ جھجکی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آجاؤ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔وہ رضا احمد کی دوسری طرف بیٹھ گئی۔

اسے نہیں پہچانا؟رضا احمد نے نوجوان کیطرف دیکھ کر کہا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

میرا بیٹا اور تمہارا کزن حسنین ہے۔حسنین رضا احمد۔رضا احمد نے اسکا تعارف کروایا

حسنین نے مسکراتے ہوئے اسے ہاتھ ہلایا۔

اور اس سے بڑی ایک بیٹی ہے ماریہ رضا۔

وہ نظر نہیں آرہی؟کہاں ہیں؟اس نے پوچھا

وہ شادی شدہ ہے۔ماشاءاللہ ایک بچی بھی ہے اسکی۔رضا احمد نے لہجے میں پیار سموتے ہوئے کہا۔

اسے احساس کمتری نے آگھیرا۔بہت پیار محسوس کیا اس نے رضا احمد کے لہجے میں اپنی بیٹی کے لیے مگر ایک وہ تھی کہ اپنے باپ پر بوجھ بن گئی تھی۔نمکین پانی پھر آنکھوں میں جمع ہو رہا تھا۔

اس نے جلدی سے چائے ختم کی اور رضا احمد سے اجازت لے کر اپنے کمرے میں آگئی۔

رضا ماموں اور عالیہ ممانی اسے اچھے اور اپنے اپنے سے لگے تھے۔رضا احمد جب بھی اسکے ساتھ بیٹھتے اسکی ماں کی چھوٹی چھوٹی باتیں اسے بتاتے۔ایک وہی تو تھے جو ستارہ احمد کا ذکر پیار اور نرمی سے کرتے تھے ورنہ اس نے ہمیشہ اپنی ماں کا ذکر حقارت اور نفرت سے سنا تھا۔

وہ یہاں آنے سے پہلے عالیہ ممانی کے رویے کے بارے میں سوچ کر پریشان ہوتی رہی مگر ان سے مل کر وہ مطمئن ہو گئی تھی۔

اگلے دن گاڑی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے وہ کالج نہیں گئی اور رضا احمد نے بھی اسے ایک دن آرام کرنے کا کہا تھا۔

دو دن چھٹی کرنے کے بعد تیسرے دن وہ کالج آئی تھی۔وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف جا رہی تھی جب اسے زریاب کی آواز آئی۔

رکیے پلیز۔وہ اس سے کچھ فاصلے پر تھا اور تیزی سے اسکی طرف بڑھ رہا تھا۔

آپ دو دن کیوں نہیں آئی۔اس نے پاس آکر کہا۔

اور گاڑی بھی اور لگوالی کیوں؟

ایسے ہی۔وہ اب اسے کیا بتاتی کہ اسکا ایک ٹھکانہ تھوڑی ہے۔

ہم کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں لوگ بار بار ہمیں دیکھ رہے ہیں۔زریاب نے ادھر اُدھر دیکھ کر کہا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ دونوں کیفے ٹیریا کی طرف بڑھے۔

وہ دونوں کیفے ٹیریا میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

آپ کے دو دن نہ آنے کیوجہ سے میں بہت پریشان رہا اور بہت کمی محسوس ہوئی آپ کی۔زریاب نے بات کا آغاز کیا۔

پتہ ہے جب میں ہفتے بعد کالج آیا تھا تو میں نے آپ کی آنکھوں میں وہ خوشی وہ چمک

محسوس کرلی تھی جو مجھے دیکھنے سے در آئی تھی مگر جب آپ نے مجھے روکا تو یہ بات مجھے بری لگی مجھے بولڈ لڑکیاں ناپسند ہیں مگر پھر آپکا اداس ہو کر واپس مڑ جانا مجھے آپکی طرف متوجہ کر گیا۔

وہ ٹکٹکی باندھے اسے سن رہی تھی۔

میں یہ نہیں کہوں گا کہ ان تین چار دنوں میں، میں آپ سے شدید محبت میں مبتلا ہو گیا ہوں مگر جو احساسات میرے دل میں آپ کے لیے ہیں وہ کبھی کسی کے لیے پیدا نہیں ہوئے میں نے ان دنوں حد سے زیادہ آپکو سوچا ہے۔ کیا آپ کے بھی میرے لیے یہی احساسات ہیں؟ وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر دھیمی آواز میں گویا ہوئی۔

ہاں۔ شاید آپ سے بھی زیادہ۔

مگر مجھ میں پانے کی خواہش نہیں ہے۔ ایک ہی خواہش تھی میری آپ کے دل میں اپنے لیے محبت پیدا کر سکوں جس طرح میں آپ کو یاد کرتی ہوں آپ کی کمی محسوس کرتی ہوں اسی طرح آپ بھی میرے لیے کریں۔ ہاں مگر اپنی زندگی کو مکمل ہونے کی دعا ضرور مانگوں گی جو آپ کے ملنے سے ممکن ہے۔

وہ یہ سب کہہ کر وہاں ٹھہری نہیں۔

زریاب کو وہ بہت عجیب لگی تھی۔ کبھی چھوٹی سی بات کہتے جھجکتی اور کبھی بڑی سے بڑی بات بھی کہہ دیتی تھی۔

وہ اسکی باتیں سوچ کر مسکرایا اور کیفے سے نکل کر اپنے ڈیپارٹمنٹ کیطرف بڑھا۔

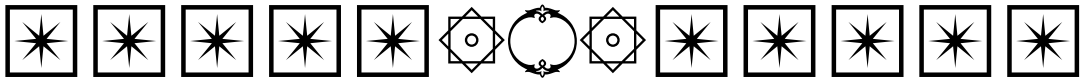

وقت گزرتا گیا وہ اب پہلے کی طرح اداس نہیں رہتی تھی محبت کے جذبے نے اس میں نئے رنگ بھر دیے تھے۔اسکے بعد زریاب سے اسکی ملاقات تو نہیں ہوئی ہاں اگر آمنا سامنا ہو جائے تو دونوں کے چہرے پر پیاری سی مسکان بکھر جاتی۔

گھر بدلنے سے اسکی زندگی میں سکون در آیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ کھڑکی کے پاس بیٹھی باہر کے منظر کو دیکھنے میں محو تھی۔آج اسے نصرت بیگم اور بابا کی یاد ستا رہی تھی۔

دو ہفتے ہونے کو آئے تھے اسے رضا احمد کے گھر آئے ہوئے۔مگر ایک بار بھی کسی نے اسے کال نہیں کی تھی اور نہ اس کی ہمت ہوئی کہ وہ کال کرتی۔

کچھ ایسے زخم ہیں جن کو سبھی شاداب رکھتے ہیں_____

کچھ ایسے داغ ہیں جن کو کبھی دھویا نہیں جاتا_____

دیا کیا کر رہی ہو؟ عالیہ نے کمرے میں جھانکا

جی ممانی جان۔ وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹی۔

مصروف تو نہیں ہو؟ ماریہ آ رہی ہے تم کچن کے کاموں میں میری مدد کر دو گی؟

جی ضرور۔ وہ خوشدلی سے بولی مگر اندر ہی اندر ایک سوچ اسے پریشان کیے ہوئے تھے۔

پہلے بھی اتوار کو شام کے وقت نصرت بیگم نے اسے خالدہ کے آنے کی اطلاع دی تھی

اور آج وہی باتیں عالیہ نے دوہرائی تھی۔ نہ جانے کیوں اسکا دل ذرا سی بات پر سکڑنے

لگتا تھا۔

وہ کچن میں غائب دماغی سے کام کرتی رہی۔

رات کے وقت آٹھ بجے ماریہ اور پانچ سالہ بیٹی حسنین کیساتھ گھر آئی تھی۔ اسے ہنس

مکھ سی ماریہ بہت اچھی لگی دل سے ڈر اور پریشانی غائب ہو گئے تھے۔

رضا احمد کے گھر آنے کے بعد رات کا کھانا کھایا گیا آدھی رات تک باتیں ہوتی رہی مگر

وہ جلدی ہی اپنے کمرے میں آ گئی وہ کم گو اور تنہائی پسند تھی یا اسے تنہا اور خیالوں میں

رہنے کی عادت ہو گئی تھی۔

اگلے دن کالج سے آنے کے بعد کچھ دیر وہ ماریہ کساتھ بیٹھی رہی پھر کمرے میں آ کر

اسٹڈی کرنے لگی مگر باہر سے آتی عالیہ اور ماریہ کی آواز سے اسکا دھیان بٹ جاتا۔

اپنی ماما کا نام سن کر نہ چاہتے ہوئے بھی اسکا دھیان انکی باتوں کیطرف چلا گیا۔

ستارہ پھپھو نے جو دھبہ ہم پر لگایا کیا آپ اور پاپا بھول گئے اب انکی بیٹی کو یہاں لے آئے گھر میں جوان لڑکا ہے۔ماریہ اپنی ماں سے سرگوشی میں بات کر رہی تھی مگر آواز اتنی اونچی ضرور تھی جو دیا کو بآسانی سنائی دے رہی تھی۔

مجھے تو اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔اپنی ذات میں مگن نہ کسی کی برائی نہ اچھائی۔

واہ امی۔یہ بات تو سوچیے اسکے نواز پھوپھا نے اسے کیوں گھر سے نکالا کوئی نہ کوئی تو بات ہوئی ہو گی میری مانیں تو شادی کر دیں اسکی۔پڑھائی شادی کے بعد ہوتی رہے گی۔

ماریہ نے رازداری سے عالیہ کو کہا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ سوچ رہی تھی اب اس طعنے نے اسکا پیچھا چھوڑ دیا ہے مگر وہ غلط تھی۔ایک بار جو داغ عورت کی ذات پر لگ جائے اسکی ذات ہی نہیں اسکی نسل بھی تباہ کر دیتا ہے بدنام وہ ہی نہیں اس سے جڑا ہر رشتہ بدنام ہو جاتا ہے۔

ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔

ان کے دوست ہیں۔کافی امیر کبیر ہیں ان دنوں رشتے کی تلاش میں ہیں اگر آپ کہیں تو میں ان کے کان میں بات ڈال دوں۔

پہلے تمہارے بابا سے بات کر لوں پھر۔

ہاں ہاں بابا کو آپ پہلے راضی کریں۔ماریہ نے جلدی سے کہا

مگر یہ فیصلے جلد بازی میں نہیں ہوتے ماریہ۔مجھے ڈر لگتا ہے اس کیساتھ کچھ برا نہ ہو جائے۔آہ لگ جائے گی اسکی۔عالیہ نے کہا

ہم کونسا اس کے ساتھ برا کرنے جا رہے ہیں شادی کیا میری نہیں ہوئی۔اسی جتنی تھی میں۔ماریہ نے انکے انکار کرنے کے تمام رستے مسدود کر دیے تھے۔

میں بات کروں گی رضا سے۔

ہاں پھر آگے بات بڑھاؤں گی۔حسنین ہے گھر میں کل کو کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو سارا الزام ہمارے سر آئے گا اس سے پہلے ہی شادی کر دینگے۔

ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو تم میرا اسطرف دھیان ہی نہیں گیا آج ہی رضا سے بات کروں گی۔

وہ انکو اپنی بات پر راضی کر کے خوش ہو گئی تھی اور خوشی سے عالیہ بیگم کو لڑکے کے بارے میں تفصیل بتانے لگی۔

اب اسے ادھر سے بھی نکالنے کا بھی پلان منایا جا رہا تھا مگر فرق اتنا تھا پہلے تہمت لگا کر نکالا گیا تھا مگر اب شادی کروا کے۔

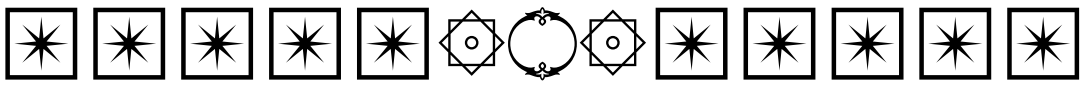

اگلے دو دنوں میں عالیہ اور ماریہ نے رضا احمد کو بھی اپنی بات پر راضی کر لیا تھا۔ماریہ سب کے کانوں میں رشتے کی باتیں ڈال کر چلی گئی مگر ہفتہ گزرتے ہی وہ شوہر کیساتھ آدھمکی۔

گھر کی صفائی ستھرائی اور کچن سے اٹھتی کھانوں کی خوشبو سے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی خاص مہمان آنے والا ہے۔

وہ کالج سے آئی تو ماریہ کو دیکھ کر اسے خطرے کی بو محسوس ہوئی۔

شکر ہے تم وقت پر آگئی جلدی سے کپڑے بدلو اور ہلکا سا میک اپ کر لو۔تمہارے رشتے کے لیے کچھ لوگ آرہے ہیں۔ماریہ نے اسے لاؤنج میں روک کر کہا

جی۔وہ فرمانبرداری سے اسکی ہر بات پر سر ہلا رہی تھی۔

ہاں میں نے سوٹ رکھ دیا ہے تمہارے کمرے میں۔عالیہ اسکی فرمانبرداری پر صدقے واری جا رہی تھی۔

اس نے کمرے میں آکر بیگ ٹیبل پر رکھا۔

بیڈ کی پائنتی پر ڈریس رکھا ہوا تھا وہ ڈریس اٹھا کر واشروم میں گھس گئی۔

پندرہ منٹ بعد وہ باہر نکلی پنک ڈریس جس پر بلیک موتیوں کی کڑھائی کی ہوئی تھی میں گلاب کا پھول لگ رہی تھی۔

وہی پھول جسے کانٹے ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں وہی پھول جسکو اپنی تسکین کے لیے بڑی بے دردی سے توڑ دیا جاتا ہے۔

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے ایک نظر خود کو دیکھا۔

سردی کی وجہ سے اسکا جسم کپکپا رہا تھا ہونٹ نیلے ہو گئے تھے اس نے ہیٹر آن کیا۔

اندر کا موسم بھی تو سرد تھا خزاں کیطرح ویران۔

دعائیں سب رائیگاں گئی تھی۔

آرزوئیں فضول ہوتی ہیں، گویا کاغذ کے پھول ہوتی ہیں ❤️
ہر کسی کے نام پر نہی رکتی دھڑکنیں بااصول ہوتی ہیں ❤️
پتھروں کے خداؤں کے آگے التجائیں فضول ہوتی ہیں ❤️
کوئی میرے لبوں کو بھی دے دو جو دعائیں قبول ہوتی ہیں ❤️

کچھ ہی دیر بعد مہمان بھی آ گئے۔ماریہ اسے لے کر باہر آئی اور چائے اور لوازمات کی ٹرالی دے کر اسے ڈرائنگ روم میں بھیجا جہاں مہمان بیٹھے تھے۔

اندر داخل ہو کر اس نے دھیمی لہجے میں سلام کیا اور سب کو چائے سرو کی۔ماریہ اسے بیٹھنے کے اشارے کرتی رہ گئی مگر وہ باہر نکل گئی۔

آواز کہیں دب گئی تھی اگر کچھ بولتی تو ضبط ٹوٹ جاتا اور وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔اپنے کمرے میں آکر بھی وہ باہر سے پر سکون تھی مگر دل لہولہان تھا دہاڑے مار مار کر رو رہا تھا مگر اسے گہری چپ لگ گئی تھی کبھی نہ ٹوٹنے والی۔وہ تھک گئی تھی اپنوں کے طعنے سن سن کر نا کردہ گناہوں کی سزا بھگت کر اور اس نے وقت کی آخری آزمائش سمجھ کر اس پر بھی صبر کر لیا۔

مہمانوں کے جانے کے بعد رضا احمد نے اسے اپنے کمرے میں بلوا کر ایک بار پھر اسکی رضامندی لی۔وہ اسے تسلیاں دیتے رہے اسکو نصیحتیں کرتے رہے اور وہ سب چپ چاپ سنتی رہی۔وہ کچھ بول بھی نہیں سکتی تھی بولتی تو ایک ہی طعنہ ملتا گندے خون کی گندی نسل۔

آفتاب بہت اچھا لڑکا ہے۔عمر میں تم سے کچھ بڑا ہے مگر سلجھا ہوا ہے اپنا بزنس ہے اسکا،زیادہ فیملی بھی نہیں ہے آفتاب سے بڑی بہن جو شادی شدہ ہے انگلینڈ میں سیٹل ہے اور ایک چھوٹا بھائی جو پڑھ رہا ہے۔وہ اسے تفصیل بتا رہے تھے۔

مجھے امید ہے تم اسکے سنگ خوش رہو گی۔میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں خدا نصیب اچھے کرے۔وہ اسے محبت سے دعاؤں سے نواز رہے تھے۔

مگر وہ انکی دعاؤں پر آمین بھی نہ کہہ سکی۔گلے میں آنسوؤں کا گولہ پھنسا ہوا تھا آنکھوں

میں نمی تیر رہی تھی۔

وہ دو ماہ میں شادی کرنا چاہتے ہیں پہلی بار اس نے سر اٹھا کر رضا احمد کیطرف دیکھا۔ دراصل اسکی بہن انگلینڈ جانے سے پہلے اسکی شادی کرنا چاہتی ہے۔

میں چاہتا ہوں تمہارے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں مگر تمہاری رضامندی بھی تو ضروری ہے۔

ماموں جان جیسا آپ چاہیں۔ آپ جانتے ہیں میں آپکی کسی بھی بات سے انکار نہیں کرتی۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

جیتی رہو۔ وہ اسکے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے

وہ وہاں سے اٹھی قدم من من بھر کے ہو رہے تھے دھندلائی آنکھوں سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا وہ بمشکل خود کو اپنے کمرے تک لائی اور کمبل رکھ کر لیٹ گئی۔

سر میں نا قابل برداشت درد ہو رہا تھا مگر دل میں اس سے بھی زیادہ۔

)کچھ پل رو لیا کریں، میں نے ان دنوں حد سے زیادہ آپکو سوچا ہے، جو احساسات میرے دل میں آپکے لیے ہیں وہ کسی کے لیے نہیں (

بار بار زریاب کی باتیں ذہن میں آ رہی تھی اسکا مسکراتا چہرہ، پھر ذہن ہر سوچ سے مفلوج ہو گیا اور آنکھوں کے سامنے آہستہ آہستہ اندھیرا چھا گیا۔

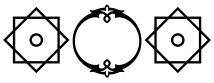

اگلے چند وہ تیز بخار میں مبتلا رہی جسکی وجہ سے کافی کمزور ہو گئی تھی رنگت پیلی پڑ گئی تھی آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھی۔ رضا احمد اور عالیہ اسکے لیے بہت فکر مند ہو گئے تھے۔ بخار کچھ کم ہوا تو دونوں نے سکھ کا سانس لیا۔ عالیہ نے اسکا حد سے زیادہ خیال رکھا مگر وہ جسمانی طور پر کم ذہنی طور پر زیادہ بیمار تھی۔

دو ہفتے گزرنے کے بعد وہ کالج آئی سب کچھ ویسا ہی تھا بدل تو وہ خود گئی تھی۔ کالج میں صرف زریاب اسکا منتظر تھا باقیوں سے اسکی دعا سلام نہ ہونے کے برابر تھی۔

کہاں تھی آپ؟ اس نے بے تابی سے پوچھا میں نے ہر دن شدت سے انتظار کیا آپکا؟

بیمار لگ رہی ہیں؟ وہ اسکے لاغر وجود کو دیکھ کر بولا۔

جی بخار ہو گیا تھا سردی کی وجہ سے۔ اس نے دھیمے لہجے میں بتایا۔

اب کیسی طبیعت ہے؟

ٹھیک ہوں۔

میں بہت پریشان ہو گیا تھا طرح طرح کہ دل میں وسوسے آ رہے تھے۔

مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے یہاں میں نہیں کر سکتی آپ کہیں باہر مل سکتے ہیں مجھے۔ اس نے ادھر ادھر لڑکے لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے کہا زریاب کو پریشانی ہوئی کہ

ایسی کونسی بات ہے جو کالج میں نہیں ہو سکتی۔

اگلے دن گھر سے وہ کالج کا کہہ کر نکلی تھی مگر زریاب کیساتھ وہ اسکے گھر آ گئی۔وہ اسے بیڈ روم میں لے کر آیا زریاب پر اسکو پورا بھروسہ تھا پھر بھی اسنے اپنی حفاظت کے لیے آیت الکرسی پڑھ لی۔

زریاب کو عجیب بے چینی نے گھیر رکھا تھا۔

کیا بات ہے دیا؟زریاب نے اسے پریشان دیکھ کر کہا۔

میری شادی طے ہو گئی ہے۔اس نے اٹک اٹک کر بات مکمل کی۔

وہ آنکھیں پھاڑے بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

خدا کے لیے دیا مجھے آزماؤ مت سچ بتاؤ میرا دل تھم جائے گا۔وہ جذباتی ہو کر بولا

میں سچ کہہ رہی ہوں۔اس نے مجرموں کی طرح سر جھکا کر کہا

غم سے اس سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا وہ شاکڈ تھا ابھی تو محبت کی شروعات ہوئی تھی، ابھی تو محبوب کو جی بھر کر کے دیکھا بھی نہیں تھا ابھی محبت کو مکمل طور پر محسوس بھی نہیں کیا تھا محبت کی ابتدا کیساتھ ہی انجام بھی ہو گیا۔

میں زبان کے ہوتے ہوئے بھی بے زبان ہوں زریاب۔میں انکار نہیں کر سکی میری زندگی دوسروں کے رحم و کرم پر ہے میں چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پاؤں گی۔اچانک اسکی

نظر ایک فریم پر ٹھہر گئی جو زریاب کے روم میں سامنے کی دیوار پر لگا تھا۔ جس میں دو شخص کھڑے مسکرا رہے تھے۔ایک کو تو وہ پہچان گئی تھی وہ زریاب تھا مگر دوسرا شخص؟

کچھ پل خاموشی میں گزر گئے۔

تم مجھے یہ بتانے آئی ہو؟ وہ آپ سے تم پر اتر آیا تھا۔ کیوں آئی تھی میری زندگی میں جب میرا ہونا نہیں تھا کیوں میرے دل میں محبت کا احساس جگایا اور جب میرا پور پور تمہاری محبت میں ڈوب گیا تو تم مجھے چھوڑ رہی ہو۔ میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا دیا۔ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں لگ رہا تھا۔

میری مجبوری سمجھیں۔ میرے دل میں آپکے لیے جگہ ہے احساسات ہیں یہی آپکی محبت کی جیت ہے۔ جسم کا پانا تو محبت نہیں ہوتی۔ وہ اسے نرمی سے سمجھا رہی تھی مگر وہ کچھ سمجھنے کو تیار ہی نہیں تھے۔

میں تمہیں کسی اور کے ساتھ کیسے برداشت کروں گا بے وفائی مت کرو کچھ رحم کرو۔ میری زندگی میں روشن دیا جلا کر اسے مت بجھاؤ۔ وہ ہاتھ جوڑ کر اس سے التجا کر رہا تھا۔ اسکی آواز میں آنسو کی آمیزش بھی شامل تھی۔

میری زندگی بہت کٹھن ہے زریاب اسے اور مشکل مت بنائیں ورنہ دیا بجھ جائے گی

ہمیشہ کے لیے۔وہ آنسو بہاتی یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔تیزی سے بھاگتے ہوئے وہ اسکے گھر سے نکلی اور رکشہ کر کے اپنے گھر آ گئی۔

عالیہ نے اس سے جلدی آنے کی وجہ پوچھی اسنے طبیعت خرابی کا بہانہ بنایا،عالیہ نے اسکے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر ٹمپریچر چیک کیا تو وہ واقعی بخار میں پھنک رہی تھی۔

عالیہ نے اسے دوا پلا کر آرام کرنے کا کہا وہ خود بھی اسکی بیماری کیوجہ سے پریشان تھی ان کے ذہن میں یہی تھا ٹھنڈ لگنے کی وجہ سے بخار ہے۔

اگلے چند دن میں بخار تو ٹوٹ گیا تھا مگر چہرے پر ہڈیاں ابھر آئی تھی۔ایک ماہ بعد اسکی شادی تھی مگر وہ بستر سے ہی لگ کے رہ گئی تھی کمزوری اسقدر تھی کہ دو قدم چلتی تو چکر آنے لگتے۔

نصرت بیگم اور نواز علی کی بھی شدت سے یاد آ رہی تھی اسکا دل ان سے ملنے کو تڑپ رہا تھا۔سب محبتوں نے مل کر اسکو غم کے گہرے کنویں میں دھکیل دیا تھا۔

ایک ماہ پلک جھپکتے گزر آ گیا۔

مہندی کی رات اسنے روایتی دلہنوں کی طرح سبز اور پیلے رنگ کا سوٹ پہنا۔وہ گھونگھٹ ڈالے بت بنی بیٹھی تھی اسکے پاس قالین پر بیٹھی لڑکیاں ڈھولکی کیساتھ گیت

گارہی تھی جس میں ماریہ برابر سبکا ساتھ دے رہی تھی۔

کالا___شا___کالا

میرا_کالا_اے_دلدار

تے_گوریاں_نُوں_پَراں_کرو

ماریہ آفتاب کی سانولی رنگت کی وجہ سے یہ گیت گا کر اسے چھیڑ رہی تھی مگر اسے کچھ اچھا برا نہیں لگ رہا تھا۔

دولہے کی طرف مہندی لائی گئی تھی سب لڑکیاں باہر کیطرف بھاگی وہ اکیلی اسٹیج پر بیٹھی تھی مگر اندر آتے شخص کو گھونگھٹ کی اوٹ سے دیکھ کر وہ گھبرا گئی تھی اسکا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ماریہ کے پاس آتے ہی اس نے سرگوشی سے اس شخص کے بارے میں پوچھا مگر ماریہ کا جواب سن کر اسے ایسے لگا جیسے وہ زمین اور آسمان کے درمیان معلق ہے۔

"یہ آفتاب آفندی کا چھوٹا بھائی زریاب آفندی ہے"

وہ نہیں جانتی کسطرح اس نے خود کو سنبھالا وہ اس کے پاس آیا تھا مگر گھونگھٹ کیوجہ سے وہ اسے دیکھ نہ سکا۔ غم کی وجہ سے اسکی گھگھی بند ہو گئی۔

آدھی رات کو اپنے کمرے میں آکر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی یہ قسمت کیسا کھیل کھیل رہی تھی اسکے ساتھ یہ کیسا مذاق تھا۔

اس نے سیل پر نواز علی کا نمبر ڈائل کیا۔ مگر نمبر آف جا رہا تھا۔ وہ بے بسی کی تصویر بنی ہوئی تھی وہ ان سے التجا کرنا چاہتی تھی کہ وہ اسے آکر لے جائیں وہ کبھی وہ اپنی ماں کی کہانی نہیں دہرائے گی۔

اس نے ایک ڈیڑھ گھنٹے کا وائس میسیج نواز علی کو سینڈ کر دیا۔ رو رو کر اسکی آنکھیں سوج گئی تھی گلا دکھنے لگا تھا۔ اس نے مہندی کا ڈریس چینج کیا اور وضو کر کے اللہ ﷻ کے حضور کھڑی ہو گئی۔ عشاء کی نماز پڑھ کر اس نے دعا مانگنے کے لیے ہاتھ اٹھائے مگر الفاظ ہی کہیں کھو گئے آنسو نے اسکا مدعا بیان کیا آج وہ ہر ضبط توڑ کر رو رہی تھی آج وہ تھک کر روئی تھی اس نے آخری آزمائش سمجھ کر شادی کے لیے ہامی بھری تھی مگر اس شادی سے جڑی ایک بڑی آزمائش اسکی منتظر تھی۔ وہ درد کی آخری حد پر تھی۔ وہ بکل ٹوٹ چکی تھی بکھر چکی تھی اور نہ یہ بات خدا کے سوا کسی سے شئیر کرنے کے قابل تھی۔

اس رات اس نے نواز علی کا نمبر بار بار ملایا مگر نمبر مسلسل آف جا رہا تھا۔ وہ پل پل مر رہی تھی مگر کسی کو اسکی پرواہ نہیں تھی۔ اپنی ماں کی غلطیوں کی سزا بھگت بھگت کر وہ

ختم ہو چکی تھی مٹ چکی تھی۔اسکا جسم چلتی پھرتی لاش تھی اسکا اندر تو جل کر بھسم ہو چکا تھا۔

فجر کی اذان ہوئی وہ جاگ رہی تھی اس نے نماز پڑھی اور دل سے دعائیں مانگنے لگی۔

اگلے دن بیوٹیشن کو گھر پر ہی بلوایا گیا تھا۔ریڈ اور سلور کلر کے لہنگا جس پر موتیوں کا کام کیا گیا تھا اور اس ہر خوبصورتی سے کیے میک اپ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی روپ بھی ٹوٹ کر آیا تھا یا شاید جن کے دل ٹوٹے ہوں ان پر روپ بھی خوب آتا ہے۔

ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ جو آج اسکے لبوں سے چپک گئی تھی اسے صبر آ گیا تھا۔

نکاح ابھی نہیں ہوا تھا اس لیے اسے ابھی اسٹیج پر نہیں لایا گیا۔ماریہ اسکے پاس نکاح نامہ لے کر آئی تھی تاکہ دستخط کروا سکوں۔اس نے قلم ہاتھ میں پکڑا ہاتھ بری طرح کانپ رہا تھا نہ جانے کیوں بابا کا چہرہ آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

نکاح نامے پر وہ دستخط کرنے لگی تھی جب یکدم اسے سینے میں جلن سی ہونے لگی اس نے ابھی اپنے نام کا پہلا حرف ہی لکھا تھا کہ اسے خون کی قے ہوئی۔

ماریہ ڈر کے مارے باہر بھاگی آن ہی آن میں کمرہ بھر گیا۔

رضا احمد کی گود میں اسکا سر تھا اس نے ہاتھ جوڑے تھے اور "میری ماں م ع اف "لب ہل رہے رھے مگر آواز نہیں آ رہی تھی۔

ماریہ بار بار اسکا منہ صاف کر رہی تھی۔

دیا دیا۔ رضا احمد نے اسے جھنجوڑا، اسے ہوسپٹل لے کر جانا پڑے گا گاڑی نکالو۔

اسے ایک ہچکی لگی تھی موت کی ہچکی وہ اس جہاں سے کنارہ کر چکی تھی بہت دکھ دیے

تھے اسے اس دنیا والوں نے۔

"اناللہ انا الیہ راجعون"

رضا احمد نے دعا پڑھتے ہوئے آہستہ سے ہاتھ پھیر کر اسکی آنکھیں بند کی۔ عالیہ چیخیں مار

مار کر رونے لگی ماریہ بھی رو رہی تھی شادی کا فنکشن موت کی ویرانی میں بدل گیا تھا

اب قہقہوں کی بجائے رونے کی آوازیں تھی بین تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دو قدم نہ ساتھ چلنے والے

آج قافلے بنا کر چلے جا رہے تھے

آج پتہ چلا موت اتنی حسین ہے

ہم تو یونہی جیتے جا رہے تھے

دیا کی موت کی خبر نواز علی اور نصرت بیگم تک بھی پہنچائی گئی تھی وہ اب اتنے پتھر دل

بھی نہیں تھے کہ بیٹی کی موت کا سن کر نہ آتے۔

خالدہ بھی اشعر کیساتھ ٹسوے بہاتی آگئی وہ بار بار کفن ہٹا کر اسکا چہرہ دیکھتی جو نورانی تھا جہاں آج صرف سکون ہی سکون تھا کسی کا خوف ڈر نہیں تھا۔

ہائے دیا میری بچی۔وہ بین کرنے لگی مگر اب کیا فائدہ جسے ساری زندگی گلے نہیں لگایا جو ترستی رہی محبت کے لیے مگر آج محبت مل بھی رہی تھی جب اسے ضرورت نہیں رہی تھی۔جب اسکا دنیا سے رابطہ کٹ چکا تھا۔

زریاب "دیا" کا نام سن کر پریشان تھا مگر اتنی ہمت نہیں تھی کفن ہٹا کر دیکھے۔وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا۔

میت کی چارپائی کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے کفن ہٹا کر چہرہ دیکھنا چاہا مگر ہاتھ کانپ رہے تھے دل سکڑنے لگا تھا۔ماریہ نے کفن ہٹا کر چہرہ دکھایا اسے اسکے بھائی کی ہونے والی بیوی کا مگر وہ دیکھ کر ساکت رہ گیا۔

دیا دیا آنکھیں کھولو میری زندگی دیکھو زریاب آیا ہے کچھ بولو

کچھ کہو

وہ ہوش و حواس میں نہیں تھا آفتاب اور حسنین اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ زور زور سے چیخ رہا تھا بار بار دیا کیطرف لپک رہا تھا۔

چھوڑو مجھے دیا سے باتیں کرنے دو۔

میری دیا ہے یہ۔یہ مری نہیں ہے یہ مذاق کر رہی ہے۔

سبھی حیران تھے آخر زریاب کا دیا سے کیا تعلق۔وہ جو محبت کو دل میں سوچتے ہوئے ڈرتی تھی آج وہ راز فاش ہونے لگا تھا مگر پھت بھی اسکے چہرے پر کوئی پریشانی نہیں تھی اب اسے کسی کا ڈر نہیں تھا۔

قل کی دعا کے بعد رضا احمد کے گھر وہ آئے تھے وہ عالیہ سے پوچھ کر دیا کے کمرے میں آئے تھے۔کمرہ صاف ستھرا تھا وہ چاروں طرف کمرے میں گھوم کر ایک جگہ رک گئے جہاں اسکی کتابیں رکھی تھی ایک کتاب ہاتھ میں اٹھائی ہی تھی کہ ڈائری پر نظر پڑی انہوں نے بے اختیار ڈائری اٹھالی۔

وہ ڈائری لے کر باہر آئے اور رضا احمد سے اجازت لے کر گھر آ گئے۔

پہلے اپنا نمبر آن کیا جو انہوں نے کتنے دنوں سے آف کر رکھا تھا۔موبائل پر باقی کالز کے علاوہ دیا کے نمبر سے آٹھ کالز آئی ہوئی تھی۔

وہ حیران ہوئے کیا دیا نے مجھ سے رابطہ کیا تھا انہیں اپنے سیل آف کرنے پر پچھتاوا ہوا۔

وائس میسیج اوپن کیا

دیا کی ہچکیوں سے روتے ہوئے آواز ابھری

بابا کال اٹھائیں آج آخری بار اپنی بیٹی کی فریاد سن لیں۔یہی سوچیں وہ ستارہ کی بیٹی نہیں آپکی بیٹی ہے۔مجھے لے جائیں یہاں سے میری شادی روک دیں بابا۔

آپکی دیا بجھنے لگی ہے۔

بکھر رہی ہے وہ اندر ہی اندر جل کر بھسم ہو رہی ہے۔

وہ خود بھی ہچکیوں سے رو رہے تھے۔

میرا کوئی گناہ نہیں ہے میں اس دن اشعر بھائی سے التجا کر رہی تھی کہ میرے معاملات سے دور رہیں جسکا پھپھو نے غلط مطلب لیا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپکی بیٹی بے قصور ہے۔

یہ شادی ہو گئی تو ایک اور ستارہ کی کہانی دوہرائی جائے گی ایک اور دیا جلنے کے لیے پیدا ہو گی۔

اب وہ رو نہیں رہی تھی اسکا لہجہ چٹان جیسا سخت ہو گیا تھا۔

مگر آپ کیوں لینے آئیں گے مجھے آپ نے کبھی مجھے بیٹی نہیں مانا۔میں تو گندے خون کی نسل ہوں۔

بے وفائی کرنے والے کا خون گندی نسل کا ہے مگر جھوٹی تہمت لگا کر کسی کی ذات کو

بکھیر دینے والوں کا خون کس نسل کا ہے؟

ایک بار تو سوچتے میں آپکا بھی تو خون ہوں ہمیشہ مجھے دھتکارا میں ترستی رہی آپ کے سینے لگنے کے لیے۔آپ سے باتیں کرنے کے لیے۔

آج کی رات ہے آپ کے پاس، مجھے لے جائیں ورنہ اسکے بعد دیا پتھر کی ہو جائے گی وہ کسی کی نہیں سنے گی۔دیا خود کو بے گناہ ثابت کرتے کرتے تھک گئی ہے دیا فرشتہ بھی بن جائے تو یہی طعنہ ملے گا اسی گندے خون کی نسل ہے۔

ایک اور بات اگر دیا بجھ گئی نا تو پھر کبھی اس خاندان میں بیٹی جنم نہیں لے گی یہ ایک بیٹی کی بد دعا ہے۔آخری الفاظ کہتے ہوئے اسکی گھگھی بند ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد اسکی ہچکیوں کی آواز آتی رہی اور پھر گہری خاموشی

یہ اسکے آخری الفاظ تھے۔باہر دروازے کی اوٹ میں کھڑی نصرت بیگم زار و قطار رو رہی تھی اور نواز علی پچھتاوے کی آگ میں جل رہے تھے وہ ساری زندگی ایک معصوم کو اسکی ماں کی سزا دیتے رہے ایک بار تو سوچتے اس پر کیا بیتی ہو گی۔

مگر وہ تو اپنا قصور نہ ہوتے ہوئے بھی سب خاموشی سے بھگت گئی تھی اب سزائیں انہوں نے سہنی تھی پچھتاوے ان کے لیے تھے۔

اپنی جگہ سب شرمندہ تھے۔اسکی زندگی کا گلا سب نے مل۔کر گھونٹا تھا سب برابر کے

شریک تھے۔

وہ بوڑھے برگد کے درخت سے ٹیک لگائے بیٹھے ڈائری پڑھنے میں مصروف تھے۔ بار بار آنکھوں میں آنسو امڈ رہے تھے مگر وہ انہیں چھلکنے نہیں دیتے تھے۔ کیوں کہ اگر وہ رو پڑتے تو سبھی کو رلاتے۔

ڈائری پڑھ کر وہ اٹھے اور اپنے کمرے میں آ گئے۔ اسے ایسے سنبھال کر رکھا جیسے بہت قیمتی چیز ہو ہاں ان کے لیے قیمتی ہی تو تھی۔ اس ڈائری سے انکی بیٹی کی یادیں جڑی تھی۔ وہ دن میں کہیں بار اسکا وائس میسیج سن کر خود کو اذیت دیتے تھے اسکی قبر پر جا کر ہاتھ جوڑ کر روتے۔ وہ بیڈ پر بیٹھے زریاب کے بارے میں سوچ رہے تھے جسکا ذکر دیا کی ڈائری میں تھا وہ اس سے ملنے کا سوچ رہے تھے جب

خالدہ ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوئی

وہ بیڈ پر سر جھکائے بیٹھے رہے وہ جانتے تھے کون ہے۔

نواز۔ خالدہ ان کے پاس آ کر کندھے پر ہاتھ رکھا۔

ناراض ہو مجھ سے؟ وہ پھر بولی مگر وہ خاموش ہی رہے۔

میں جانتی ہوں نواز اس کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے ہم نے اس کے ساتھ بہت

ب۔۔۔۔

پلیز خاموش ہو جاؤ اب کیا فائدہ ان باتوں کا۔

میں شرمندہ ہوں مجھ سے غلطی ہو گئی میں معافی مانگتی ہوں۔وہ روتے ہوئے گویا ہوئیں۔

اب آپ کے شرمندہ ہونے سے اسے کیا ملے گا۔جب تک وہ زندہ رہی آپ مجھے اور امی کو اسکے خلاف بھڑکاتی رہی اس پر تہمت لگا کر اسے دربدر کر دیا اب شرمندہ ہونے کا کوئی فائدہ نہیں اب اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا میں اسکو یاد کرتا ہوں یا اس سے محبت کرتا ہوں اسکے لیے ترستا ہوں اب اسکا رابطہ ختم ہے ہم سے۔اب کوئی لینا دینا نہیں اسکا وہ ہمارے رویے سے ختم ہوتی رہی بکھرتی رہی روتی رہی مگر ہم پتھر کے بنے رہے اب ہم اسکی یاد میں روئیں گے بکھریں گے مگر اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔وہ پھٹ ہی پڑے تھے۔

مگر مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ ایک بار صرف ایک بار اپنی بیٹی کو سینے سے لگا لیتا۔وہ رونے لگے تھے ایک مرد کا ضبط ٹوٹ گیا تھا جو شخص چٹان سے بھی زیادہ سخت تھا آج وہ بھی ٹوٹ کر رو رہا تھا وہ ایسی غلطی کر چکے تھا جسکا ازالہ ناممکن تھا۔

خالدہ کو انکی باتوں نے چپ کر دیا تھا۔

اب کبھی اس خاندان میں کوئی بیٹی جنم نہیں لے گی کبھی بھی یہ ایک بیٹی کی بد دعا ہے۔انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

وہ آہستہ آہستہ چلتی باہر نکل گئی انکے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

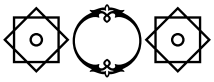

وہ قبر کے پاس بیٹھا ہاتھ اٹھائے فاتحہ پڑھ رہا تھا۔کچھ ہی دور گاڑی کیساتھ ٹیک لگائے آفتاب کھڑا اسے دیکھ رہا تھا وہ بھی حقیقت جان گیا تھا اس نے آسمان کی طرف دیکھا تو بے اختیار اسکے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔اسے اپنے رب پر پیار آیا تھا وہ اپنی ہونے والی بیوی کی موت پر بہت دکھی تھا مگر جب اسے زریاب کی حقیقت کا علم ہوا اسے اس میں بھی خدا کی مصلحت لگی۔

ابھی چند منٹ گزرے تھے جب نواز علی کی گاڑی بھی وہاں آکر رکی آفتاب سے مل کر وہ زریاب سے جا کر ملے اور قبر پر فاتحہ خوانی کی۔

وہ اٹھ کر جانے لگا تھا جب نواز علی نے اسے روکا

رک جاؤ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے؟

وہ بغیر کچھ کہے چلتا رہا اور تھوڑی دور جا کر پتھر پر بیٹھ گیا اسکی ذات پتوں کی طرح بکھر گئی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد وہ بھی اسی کے پاس دوسرے پتھر پر بیٹھے تھے۔کچھ پل خاموشی میں کٹ گئے۔بولنے کے لیے نہ انہیں الفاظ مل رہے تھے نہ اسے۔

دیا تم سے پیار کرتی تھی نا؟

ان کے سوال پر اس نے سر اٹھایا اسکی آنکھیں لبالب پانی سے بھر گئی

جی۔

اور تم؟

میں بھی۔وہ۔نہیں جانتا تھا کہ اس سے ایسے سوال کیوں جا رہے ہیں اب ان سوالوں کا کوئی مطلب نہیں تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ ہم سے بھی بہت محبت کرتی تھی مگر ہم نے ناقدری کی اسکی۔وہ ہم سے محبت کے لیے ترستی رہی مگر ہم پتھر کے بنے رہے اور اب دیکھو وہ ہمیشہ کے لیے ہم سے دور چلی گئی۔

نہیں وہ آنکھوں سے اوجھل ہے مگر دل کے بہت قریب ہے وہ جتنی دور چلی جائے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہیں آس پاس ہے وہ نظر نہیں آتی مگر دور نہیں بہت قریب ہے۔وہ ہمیشہ پاس رہے گی کبھی دور نہیں جائے گی میں اسے دور نہیں جانے دوں گا وہ بے ربط الفاظ کہتا وہاں سے اٹھ کر گاڑی کیطرف بڑھا وہ چاہ کر بھی اسے روک نہ سکے جو

اذیت انکے دل میں تھی وہ اسکے چہرے سے بھی عیاں ہو رہی تھی۔

آفتاب نے اسکے لیے فرنٹ ڈور کھولا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا وہ دیا کو ہمیشہ کے لیے کھو دے گا

گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگا کر اس نے آنکھیں موند ھ لی۔آفتاب نے اسکی طرف مڑ کر دیکھا جسکی پلکوں پر آنسو کے ننھے سے موتی چمک رہے تھے۔اسکے اندر بھی اداسی سی پھیل گئی۔

نواز علی گہری سانس خارج کرتے پتھر سے اٹھے اور گاڑی کیطرف بڑھے اب پچھتاوے ہی انکے مقدر میں تھے اب سزائیں بھگتنے کی باری ان سب کی تھی جو خود کو خدا سمجھ کر دوسروں کو سزائیں دیتے رہے اتنا بھی نہیں سوچا کہ سزا و جزا دینے کا حق صرف اللہ ﷻ کا ہے۔

ختم شد

اسلام علیکم

یہ ناول ایک فرضی کہانی ہے مگر ایسا حقیقت میں بھی دیکھنے میں آتا ہے اکثر لوگ کہتے ہیں جیسی ماں ویسی بیٹی۔

یہ بھی ٹھیک ہے زیادہ تر بیٹیاں ماں پر جاتی ہیں انکی عادتیں ماں سے ملتی جلتی ہیں۔ مگر ہم ماں کی غلطی کی سزا اسکی بیٹی کو نہیں دے سکتے۔

ضروری نہیں بدکار کی بیٹی بھی بدکار ہی ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ شریف اور پاکیزہ عورت کی بیٹی بھی پاکیزہ ہو، ہو سکتا ہے بیٹیاں ان کے برعکس ہوں۔

ہم کسی کے لیے زبان سے غلط الفاظ یا طعنے وغیرہ دے کر بھول جاتے ہیں۔ مگر اتنا بھی نہیں سوچتے اس پر کیا گزری کتنی دل آزاری ہوئی اسکی۔

اور دوسری بات جب انسان زندہ ہوتا ہے ہمیں اسکا احساس اسکی قدر نہیں ہوتی اسے رلاتے ہیں اسے سخت الفاظ کہتے ہیں مگر جب وہ دنیا سے چلا جاتا ہے ہمیں اس وقت پچھتاوا آگھیرتا ہے۔

کیا فائدہ پھر؟؟

کسی کو دکھ دینے یا تہمت لگانے سے پہلے ایک بار دل میں ضرور سوچیں کہ کیا آپ یہ دکھ اور تہمت برداشت کر سکتے ہیں۔

ناول خود بھی پڑھیں اور دوسروں کیساتھ شئیر بھی کریں مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا

****

❤️ختم شدہ❤️

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین